سید یونس الحسنی

''فدویہ'' اور ''فدوی''

ایک ''فدویہ'' نے موجودہ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ...... ''میرے خلاف نواز دور میں بنائے گئے تمام مقدمات کی از سر نو تحقیقات کرائی جائے۔ جمہوریت جلد از جلد بحال کی جائے۔ احتساب اور انتخاب کا باہم کوئی تعلق نہیں۔ عدالتی نظام کو توڑ موڑ کر میرے خلاف فیصلے کرائے گئے۔ یہ سب مبنی بر انصاف نہیں تھا، محض سیاسی انتقامی کارروائی تھی جسے کسی بھی معاشرتی اصول کے تحت درست قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ ملک کے عظیم تر ین مفادات کے تحفظ کے لئے موجودہ سیٹ اپ سے ہر طرح تعاون کرونگی ''فدویہ'' بہ خدمات بکمال و تمام حاضر ہیں''.....ایک ''فدوی'' کی آواز بھی پوری ترنگ سے ابھری جس کا لب لباب یہ ہے کہ ...... ''سابقہ دور حکومت میں لوٹ مار چھینا جھپٹی کی انتہا ہو گئی تھی۔ بد عنوان، چور، لٹیرے، قدم بہ قدم لڑھکتے دکھاتے پھرتے تھے۔ عدلیہ، سیاستدان اور بیورو کریٹس کرپشن کے فلتھ ڈپو بن گئے تھے۔ ان سب کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنا از بس ضروری ہے۔ موجودہ نظام عدل کلیتہً بد نام ہے۔ اس کی مکمل تبدیلی کے بغیر شفاف احتساب ممکن نہیں۔ ملکی خزانہ لوٹنے والوں کو جوتے مار کر ملکی سیاست سے بھگا دیا جائے تاکہ احتساب کا بیڑہ غرق نہ ہو اور حکومت حاضرد ناکامی سے دو چار نہ ہونے پائے۔ ان تمام امور کی بحسن و خوبی انجام دہی کے لئے میں حاضر ہوں۔ خدا کے لیے فدوی کی صلاحیتوں سے بھر پور اکتساب کیجیئے۔''..... یہ ساری التجائیں اخبارات کی زینت بن چکی ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا انداز تفکر و تدبر ہوتا ہے۔ ارباب اختیار نے بھی یقیناً مختلف زوایہ نظر سے ان پیشکشوں کا جائزہ لیا ہو گا۔

راقم گذشتہ چند روز سے ان بیانات کی گہرائی کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر سوچ نے زقند لگائی، سمت نامعلوم مگر معلومات کا ذخیرہ وافر تھا۔ مثلاً ہر دو ''فدویان'' کا اصل ہدف حصول اقتدار ہے۔ اور وہ بھی برائے انتقام۔ یہ آتش سوزاں ڈھکی چھپی نہیں۔ جیالے رہنما اور کارکن کسی لاگ لپیٹ کے بغیر خم ٹھونک کر اس کا ذکر کرتے ہیں۔ دو چیزیں ان کی راہ میں سد سکندری ہیں۔ اولاً عوام کی اکثریت سے نظریاتی اختلاف اور متقابل جماعتوں سے سر پھٹول، ثانیاً عساکر پاکستان کا بنیان مرصوص ہونا۔ ''فدوی'' کے خلاف عدلیہ نے ایک زبردست فیصلہ صادر کر کے عوام الناس کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ اس کی تفصیلات کا محل نہیں البتہ اس پس منظر میں عدالتی ہیئت کذائی کے مکمل تغیر و تبدل کا مطالبہ سمجھ آتا اور عدلیہ کی ''ناکامی'' کا ''سراغ'' ملتا ہے۔ ''فدویہ'' بھی اپنے ابو کی ''مجرمانہ'' موت کو ''عدالتی قتل'' قرار دیتی ہیں۔ فرانس میں اپنے برادر اصغر کی جوانمرگی بوجہ بلا نوشی ''حکومتی قتل'' سمجھتی ہیں۔ مگر خود اپنی وزارت عظمیٰ کے شباب میں برادر کبیر کے نشانہ ستم بن جانے پر منقار زیر پر ہیں۔ بعض واقفان حال مرتضےٰ کا معاملہ زرداری سے نتھی کرتے اور نال انکا پس دیوار زنداں ہونا اس ظلم کا منطقی نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ حسن اتفاق دیکھئے۔ ''بابائے جمہوریت'' ''بے وزنی'' کا شکار ہیں۔ انہوں نے جی ڈی اے کی نیو اٹھائی ''فدویان'' اس میں ''اکٹھے'' ہیں ایک دن انہی

موضوعات پر بات ہو رہی تھی۔ اپنے اپنے اوپر ہونے والے ستم ہائے امروز و فردا کو یاد کر کے "نالہ ہائے سوز و گداز" بلند کئے جا رہے تھے۔ فدوی کہہ رہا تھا...... کس قدر کربناک داستان ہے۔ تمہارے خاندان میں اب کوئی مرد بطور وارث موجود نہیں۔ باپ دادا کی نسل ہی کٹ گئی ہے۔ ظالموں نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ تم جو کچھ بھی بن جاؤ، ہو تو "خاتون" گریہ وزاری کے سوا کیا کر سکتی ہو۔ ظالم سماج نے خوب خوب ظلم کمایا ہے۔ اب نواز و شہباز کی دشمنی تو انتہا کو پہنچ گئی کہ تمہیں خاوند کے سائے سے محروم کر رکھا ہے۔ فدویہ نے تشکر آمیز لہجے میں جواب دیا...... "آپ کے ساتھ بھی جور و جفا کا ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے آپ کی کردار کشی کی گئی۔ قاتلانہ حملے کرائے گئے۔ عدالتوں کے ذریعہ آپ پر "گند" اچھالا گیا۔ آپ نے اپنے حسین "خوابوں" کی کیسٹس تک ریلیز کر دیں مگر ظالموں کو رحم نہ آیا۔ ان کے دل نہ پسیجے۔ کتنے ستم ظریف ہیں "یہ لوگ"۔ مسکینوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی۔ لے دے کے جی ڈی اے ہے۔ اب آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا...... ان سخن طرازیوں پر راقم کو ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ہوا یوں کہ لیموں اور کیلے میں دوستی ہو گئی۔ اپنی خلقت کے تمام نظری اختلافات کے علی الرغم دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔ وہ ایک دوسرے کے زاروزبوں احوال کا چپکے چپکے جائزہ لیتے اور دل ہی دل میں تجزیہ کرتے رہے۔ اس تجزیاتی اونچ نیچ میں طنزیہ اکھاڑ پچھاڑ بھی شامل تھی۔ ایک محفل میں دونوں موجود تھے۔ کنکھیوں سے اک دوجے کو دیکھتے رہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کہنا سنا چاہتے تھے۔ مگر جبر کا دامن تھامے ہونٹ سیئے بیٹھے رہے۔ آخر کب تک ایسا ہوتا، بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ اور آخر کار ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا کیلے کا پیمانۂ برداشت چھلک اٹھا۔ آہستہ اور رازدارانہ لہجے میں لیموں سے مخاطب ہوا۔ بھئی مجھ سے تمہارا "برا حال" دیکھا نہیں جاتا۔ انسان مکمل طور پر وحشی ہو چکا ہے، تہذیب و شائستگی اس میں نام کو نہیں۔ اس کے اشرف المخلوق ہونے پر صد حیف تم چھوٹی سی نرم و نازک چیز ہو۔ تمہاری خوبصورتی پر نچھاور ہونے کی بجائے یہ حضرت تمہیں چیر پھاڑ کر خوب نچوڑتے اور کچھ مثکال کر پھینک دیتے ہیں۔ پھر پانی لا کر تمہارا رس غٹاغٹ پی جاتے ہیں۔ یہ کون سا طریقہ ہے قدر افزائی کا؟ اسے تو درندگی اور بہیمیت کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔ مجھے ان زخم خم کیفیات پر بے پناہ ترس آتا ہے۔ لیموں پر اس پر تاثیر ہمدردانہ حمایت کا خاطر خواہ اثر ہوا مگر معاً کیلے کو محرمانہ انداز سے قریب بلایا گویا ہوا، تمہارا کہا بالکل بجا ہے۔ خود میں بھی اسی سوچ و فکر میں غلطاں ہوں۔ تمہاری "بری حالت" مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ابن آدم نے بربریت کی آخری حد کو چھو لیا ہے۔ انکی واماندگی میرے دل میں ترازو ہو گئی ہے۔ ان کی بہیمانہ حرکات و سکنات نے مجھے حد درجہ پژمردہ کر رکھا ہے۔ تمہارے ساتھ بالکل سوتیلوں جیسا سلوک روا رکھتے اور اٹھلائے پھرتے ہیں۔ مجھے تو نچوڑ کر پیتے ہیں مگر

تمہیں تو بالکل ننگا کر کے کھا جاتے ہیں۔ "حیا" نام کی کوئی چیز ان میں نہیں رہ گئی۔ پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم اشرف ہیں اعلیٰ ہیں، نادرۂ روزگار ہیں۔ اس پر لاحول کے سوا کیا پڑھا جا سکتا ہے؟ دفعتہً دونوں چلائے "ایک حد ہوتی ہے مگر اب انتظار نہیں کیا جائیگا۔ اپنے جیسے دوسروں کو ساتھ ملا کر زبردست تحریک چلائی جائے تاکہ ہمیں "اقتدار" ملے اور "انتقام" کی راہ ہموار ہو۔ ہمیں اپنے دباؤ میں افسانے کے لیے بیرونی ساتھیوں کو بھی ہمرکاب رکھنا ہوگا۔ خیال رہے کہ امریکن اور یورپین ساتھی موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

آپ جان گئے ہوں گے یہ کیلے اور لیموں کون ہیں؟ غور کیجیے گا کہ ان کا اتفاق کس نکتے پر ہے اور کیوں؟ اس میں شک نہیں کہ ملکی نظم افواج کے مکمل کنٹرول میں ہے۔ کسی وقت یا کسی طرح سویلین ڈھانچہ بن بھی گیا تب بھی اہم پالیسیوں کی تشکیل کی تراش خراش اور ان پر پوری طرح عملدرآمد فوجی نسق میں ہوگا۔ تمام تر پیش آمدہ حالات وواقعات کی ذمہ دار عسکری کمان ہوگی۔ بہتری پر کریڈٹ اور خرابی پر نقد و جرح کا سامنا بھی انہی کا مقدر ہوگا۔ سیاست بازی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے صاف و شفاف جمہوریت کی بحالی بھی قوت مقتدرہ کے اہداف میں شامل ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا مقصود و مطلوب ہے تو اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ وجود سابقہ اور لاحقہ سیاستدانوں کی نسل کا کوئی فرد و بشر ممکنہ انتخابات میں حصہ نہ لے سکے۔ قومی دولت کی لوٹ کھسوٹ کرنے والے جنونی خوبیوں پر یہ راستہ بند نہ کیا گیا تو ملکی حالات ومعاشیات میں مثبت تبدیلی صرف دل خوش کن خیال رہے گا اور کچھ نہیں لازم ہے ایسی راہ اختیار کی جائے جہاں "چور اچکے چودھری" نہ ہوں اور "لنڈی روزہ پر دھان" نہ بننے پائے ورنہ وہی "باگڑ بلے" دوبارہ "دودھ" کے رکھوالے بن بیٹھیں گے۔ ہمارے سیاستدانوں کے جم غفیر فی الحقیقت ایسے ہی "گھامڑوں" کا غلبہ ہے۔ "شرعی برہمنوں" کی ایک مخصوص ڈار بھی پانچویں سوا کے طور پر ان میں شامل ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سبھی قائدین انقلاب کہلاتے ہیں۔ خدا معلوم ان کے ہاں "انقلاب" کے کیا معنی ہیں۔ ترکی میں چھپنے والی ایک کتاب پڑھنے کو ملی جس میں مولانا عبیداللہ سندھی کو قائد انقلاب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ کوئی کیپٹن صاحب مصنف ہیں۔ اس میں یہ لکھا ہے "کسی نے مولانا سندھی سے کہا کہ کم از کم ٹوپی تو پہن لیا کیجیے جواباً فرمایا میری ٹوپی تو اسی دن اتر گئی تھی جب دلی کے لال قلعہ کے ہندوستان کا پرچم اترا اور فرنگی پرچم لہرایا تھا"۔ میرے خیال میں ہمارے ہاں ایسے سچے اور کھرے انقلابیوں کی نسل ناپید ہو چکی ہے۔ یہاں کچھ تو سرے محل" خرید کراتے ہیں۔ کچھ ماڈل ٹاؤن کے راج سنگھاسن پر پھولے نہیں سماتے۔ یہاں کچھ کیلے ہیں اور کئی ایک لیموں جو اپنی تمام ظاہری و باطنی کیفیات کے ساتھ حاضر ہیں۔

ذرا سوچیے اصل انقلاب میں ان گندم نما جو فروشوں کی گنجائش کہاں ہے۔

ہر طرف چھایا ہوا رات کا سناٹا ہے
کیسے ممکن ہے خرابے میں چراغاں سوچو